تدوین حدیث

تدوین حدیث کا ماحول

(۲)

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ
دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

ہو سکتا ہے کہ دعویٰ کی اس کلیت میں اغراق کا پہلو پیدا ہو گیا ہو جیسا کہ ابن صلاح نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے، اور ابراہیم نخعی، عامر شعبی وغیرہ عربی النسل علما کا تذکرہ کر کے عبدالرحمٰن کے اس دعوے پر تنقید بھی کی ہے لیکن کلیت نہ سہی اکثریت کا تو کسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا خصوصاً لفظ "الموالی" کے اطلاق میں اس وسعت کو اگر پیش نظر رکھا جائے جو اس زمانے میں لفظ موالی کے استعمال میں پائی جاتی تھی[1]۔

---

[1] یہ الموالی کا لفظ عربی زبان کا عجیب لفظ ہے بیسیوں معانی کے ساتھ یہ بھی عربی زبان کے ان الفاظ میں ہے جن سے دو متضاد معانی سمجھے جاتے ہیں یعنی اسی مولیٰ کے معنی جہاں غلام کے ہیں، وہاں مولیٰ آقا کو بھی کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہنے والے خداوند تعالیٰ کو بھی مولیٰ تعالیٰ کہتے ہیں۔ پھر غلام کی دو قسمیں مولیٰ کے تحت میں داخل ہیں یعنی ایک تو براہ راست غلاموں کو بھی موالی کہتے ہیں نیز اسلام کی تاریخ کے چند عجائب میں ایک طرفہ یہ ہے کہ آزاد ہونے کے ساتھ ان آزادیوں سے مستفید ہوتے تھے جو مفتوح اقوام کے افراد کو اسلام نے دے رکھا تھا۔ بہت جلد ان آزاد ہونے

بقیہ بر صفحہ آئندہ

میرا مطلب یہ ہے کہ جیسے موالی کا اطلاق ان غیر عربی لوگوں پر ہوتا تھا جو خود یا ان کے آباؤاجداد غلام ہونے کے بعد آزاد ہو جاتے تھے اسی طرح موالی میں اس قسم کے لوگ بھی شریک تھے، جن کا نسلاً کسی عربی قبیلہ سے تعلق نہ ہوتا تھا، اور وطن ان کا عرب سے باہر کسی ملک میں ہوتا۔ اسلامی علاقے کے امن وامان، عدل و انصاف کا شہرہ سن کر مسلمان ہونے کے بعد عربی قبائل کی آبادیوں مثلاً کوفہ بصرہ وغیرہ کو وطن بنانا چاہتے تو کسی عربی قبیلہ سے دوستی اور باہمی امداد و معاونت کا معاملہ اور معاہدہ کر کے رہ پڑتے پھر جس قبیلہ سے ان کا تعلق ہوتا اسی قبیلہ کی طرف ان کو منسوب بھی کر دیا جاتا تھا اور اسی قبیلہ کے موالی میں وہ شمار ہوتے تھے اسی طرح جس عربی مسلمان کے ہاتھ پر غیر عربی آدمی اسلام لاتا، تو جو قبیلہ اس عربی النسل آدمی کا ہوتا تھا اسی قبیلہ کی طرف اس نو مسلم عجمی مسلمان کو بھی منسوب کر دیتے تھے اور یوں اسی قبیلہ کے موالی میں ان کو داخل کر لیا جاتا تھا کہتے ہیں کہ امام المحدثین امام بخاری جو نسلاً ترکی نژاد عالم ہیں وہ الجعفی کی نسبت کے ساتھ جو مشہور ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے جیسا کہ سیوطی نے

(سلسلہ صفحہ گذشتہ) والے غلاموں کی معاشی حالت اتنی بلند ہو جاتی تھی کہ چند ہی دنوں کے بعد غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح یہ غلاموں کے غلام جو موالی الموالی کہلاتے تھے اسی طرح آزاد ہو کر غلام خریدتے اور آزاد کرتے اس سلسلہ میں ابن سعد نے ایک لطیفہ نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن حنین جو زہری وغیرہ کے اساتذہ میں ہیں لوگ عموماً ان کو حضرت عباس کے موالی میں شمار کرتے ہیں۔ حالانکہ در حقیقت حضرت عباس پانچویں درجہ میں ان کے آقا ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عباس نے شماس نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا۔ سمل نے منقب نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا اور شماس نے سمل نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا منقب نے حنین نامی غلام کو خرید کر آزاد کیا تھا مگر بولنے میں لوگ حنین کو حضرت عباس کا مولیٰ کہہ دیتے تھے صـ۲۱۲ ج ۵ ابن سعد

تدریب میں لکھا ہے۔

لان جدہ کان مجوسیا فاسلم علی ید الیمان بن اخنس الجعفی ص۲۶۷	امام بخاری کے دادا مجوسی (آتش پرست پارسی) تھے، یمان بن اخنس الجعفی کے ہاتھ پر اسلام لائے اس لئے وہ بھی جعفی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

امام ابو حنیفہ کے متعلق بھی ان کے پوتے اسماعیل بن حماد کا یہی دعوٰی تھا۔

بہر حال اسلام کی وجہ سے جو موالی ہوتے تھے ان کو موالی الاسلام کہتے تھے اور امداد باہمی کے معاہدہ کی وجہ سے مولی کہلانے والے مولی الحلف سمجھے جاتے تھے اور غلامی والے مولی کو مولی العتاقہ کہتے تھے۔ نووی نے لکھا ہے کہ گو موالی کے لفظ کا اطلاق سب ہی پر ہوتا ہے لیکن

مولی عتاقہ ھو الغالب تقریب ص۱۶۷	مولی کے لفظ کا اطلاق زیادہ تر مولی عتاقہ ہی پر کیا جاتا ہے یعنی آزاد شدہ غلام یہی مفہوم اس لفظ کا زیادہ عام اور غالب ہے۔

اس تفصیل سے میری غرض یہ ہے کہ اسلام کی ان ابتدائی صدیوں میں "موالی" کی یہ عجیب وغریب طاقت دینی علوم کی حفاظ ونگرانی تبلیغ واشاعت کے لئے قدرت کی طرف سے جو مہیا ہوگئی تھی اس میں گو زیادہ تعداد تو ان ہی لوگوں کی تھی جنہوں نے یا جن کے خاندان نے غلامی کے بعد آزادی حاصل کی، اور اسلام کے عطا کردہ حقوق سے مستفید ہوتے ہوئے حکومت وقت کی بے اعتنائیوں کے باوجود مسلمانوں میں غیر معمولی امتیاز حاصل کر لیا تھا لیکن یہ خیال صحیح نہ ہوگا کہ سب ہی غلام اور غلاموں

کی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ بلکہ ایک گروہ ان میں دوسری قسم کے موالی کا بھی تھا چونکہ نسلاً عرب قبائل سے ان بے چاروں کا بھی رشتہ نہ تھا اس لیے حکومت کا نقطۂ نظر ان کے ساتھ بھی قریب قریب وہی تھا جو غلاموں کے ساتھ اور غلاموں کی نسل کے ساتھ رکھنا چاہتی تھی۔ اگرچہ اس نقطۂ نظر کے قایم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکی وہ جتنا ان کو گرانا چاہتی تھی۔ اسلام ان کو اسی قدر بلند و برتر کرتا چلا جاتا تھا آپ ہی خیال کیجئے کہ جہاں حال یہ ہو کہ بخارا کا رہنے والا نو مسلم جس کا نام بشیر تھا بخارا سے بہ تلاش روزگار مسلمانوں کی نئی فوجی چھاؤنیوں اور نئی آبادیوں کی طرف رُخ کرتا ہے حالات مساعدت کرتے ہیں بنی اُمیہ کے طاغیہ حجاج بن یوسف اس کے پکاتے ہوئے کھانے کو پسند کرتا ہے۔ حجاج کے باورچی خانہ میں اس کا تقرر ہو جاتا ہے کوفہ میں اس طریقہ سے اس بے چارے کو قیام کا موقعہ مل جاتا ہے ساتھ اس کے اس کا لڑکا ہشیم نامی بھی ہے۔ ہشیم کوفہ کے تعلیمی حلقوں میں آنا جانا شروع کرتے ہیں غریب باورچی اپنے بچے کے اس علمی ذوق کو پسند نہیں کرتا۔ چاہتا تھا کہ مجھ سے طباخی کے کچھ گر سیکھے یہ اس بچے کے لئے زیادہ مفید ہو گا۔ اسی عرصہ میں ہشیم بیمار پڑتے ہیں اسی زمانہ میں واسطہ کے قاضی ابو شیبہ کے حلقہ درس میں ہشیم آمدورفت رکھتے تھے بیمار ہو جانے کی وجہ سے حلقہ درس میں شریک نہ ہو سکے تو قاضی صاحب نے ساتھیوں سے پوچھا وہ نوجوان ہشیم کیوں نہیں آرہا ہے۔ لوگوں نے علالت کی خبر دی۔ قاضی پر ہشیم کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اتنا اثر تھا کہ اسی وقت ہشیم کی عیادت کے لئے روانہ ہوئے بشیر باورچی گھر ہی میں تھا اطلاع دی گئی کہ قاضی ابو شیبہ تمہارے بچے کی عیادت کے لئے آئے ہوئے ہیں گھبرا کر باہر نکلا دیکھا شہر کے قاضی کو دروازے پر کھڑا پایا

ان کی خواہش پر اندر سے گیا جب عیادت کر کے قاضی رخصت ہوئے تب بشیر نے ہشیم کو خطاب کر کے کہا کہ

یا بنی قد کنت امنعک من	بیٹے! تجھے علم حدیث کے سیکھنے سے
طلب الحدیث فاما الیوم	میں روکا کرتا تھا، مگر آج کے دن کے بعد
فلا صار القاضی یحییٰ	نہیں، شہر کا قاضی، میرے دروازے پر
الیٰ بابی متیٰ املت انا ھذا؟	آنے لگا۔ مجھے اس کی کہاں امید تھی؟

خطیب ص ۸۶ ج ۱۴

اور باورچی کے اسی لڑکے کا ذکر اس وقت تک حافظ حدیث کے سلسلے میں ان الفاظ کے ساتھ کیا جاتا ہے جیسا کہ الذہبی نے ان ہی الفاظ سے ان کا تذکرہ شروع کیا ہے

الحافظ الکبیر محدث	حدیث کے بہت بڑے حافظ اپنے وقت
العصر ص ۲۲۹ ج ا تذکرۃ الحفاظ	کے محدث،

ثابت ہوا کہ اس باورچی کے لڑکے کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ عبداللہ بن المبارک جیسے محتاط ناقد کو کہنا پڑا

من غیر الدھر حفظہ	زمانہ یعنی بڑھاپے کی وجہ سے کسی کا حافظہ
فلم یغیر حفظ ھشیم ص ۴۲۰	متاثر بھی ہو گیا ہو لیکن ہشیم ان لوگوں میں

ہیں جن کے حافظہ میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔

اور یہ بھی قسمت کی وہ مخفی کارروائیاں جن کے ذریعہ سے اپنے آخری پیغمبر کے متعلقہ معلومات کی حفاظت واشاعت کے لئے غیر معمولی صلاحیتوں کے رکھنے والے دماغوں اور دلوں کو مختلف گوشوں سے اکٹھا کر کے اسی خدمت میں ان کو وہ مشغول

کر رہی تھی حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ جو بڑے بننے اور بڑھنے کے لئے پیدا کئے گئے تھے دنیا میں بڑھنے سے ان کو روکا جاتا تھا تو وہ قدرتاً دین اور دینی علوم کی راہ میں آگے بڑھ جاتے تھے بصرہ کے ایک تابعی بزرگ جن کا نام فرقد تھا اپنے شاگردوں کو خطاب کر کے کبھی فرماتے بھی تھے۔

ان ملوککم قد تلونکم	تمہارے سلاطین تم سے دنیا کے متعلق
علی الدنیا فدعوھم الدنیا	جھگڑتے اور لڑائیاں کرتے ہیں، بس مناسب
ص ۱۹۶ ج ۳ صفوۃ الصفوۃ ابن جوزی	ہے کہ ان کو اور ان کی دنیا کو انہی کے لئے چھوڑ دو۔

انتہا اس ذوق کی یہ تھی کہ موالی میں وہی نہیں جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، بلکہ جو مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے اندر بھی اس علم کے طلب اور حصول کا جذبہ بھڑک اُٹھا تھا۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں جیسا کہ پہلے بھی کہا ہے کہ اسلامی شہروں کے امن و امان، فراغبالی و فراخی کے چرچوں کو سن سن کر عرب کے باہر کے لوگ بھی عرب میں آکر آباد ہو رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ ایک عیسائی طبیب جو شام کا رہنے والا تھا اس نے طبابت کرنے کے لئے مکہ معظمہ میں قیام اختیار کیا اور مشہور قریشی خاندان آل جبیر بن مطعم سے موالاۃ کا رشتہ اس نے قائم کر لیا تھا یہ پہلی صدی ہجری کے اختتام کا زمانہ تھا نام اس عیسائی طبیب کا عبدالرحمن اور کنیت اس کی ابو داؤد تھی ابن سعد نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں قیام کے باوجود آخر وقت تک عیسائی ہی رہا۔ کوہ صفا کی طرف حرم کی مسجد کا جو منار تھا، اسی منار کے نیچے اس کا مطب تھا کعبہ سے اس قرب کے باوجود کفر پر اس کا اصرار عجیب تھا کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے بطور ضرب المثل کے

یہ فقرہ مشہور ہو گیا تھا کہ

اکفر من عبد الرحمٰن — یعنی فلاں آدمی عبد الرحمٰن نصرانی سے بھی زیادہ کافر ہے

بہر حال خود تو یہ عیسائی ہی رہا اور مرا بھی اسی حال میں لیکن مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے کا یہ اثر پڑا کہ اس کی زندگی ہی میں اس کے بچے سب مسلمان ہو چکے تھے بلکہ بعض روائتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے باپ ہی کے اشارے سے وہ مسلمان ہوئے تھے لکھا ہے کہ بچپن ہی میں اپنے بچوں کو

یعلمهم الکتابة والقرآن والفقه — لکھنے کی اور قرآن و فقہ کی تعلیم دلاتا تھا

یہ بھی لوگوں کا بیان ہے کہ

ویحثهم علی الادب ولزوم اهل الخیر من المسلمین — اپنے بچوں کو اس کا شوق دلاتا کہ ادب سیکھو اور مسلمانوں میں جو نیک کردار ہستیاں ہیں ان کی صحبت اختیار کرو،

ابن سعد ص۳۶۵ ج ۲

اسی عبد الرحمٰن نصرانی کے بچوں میں داؤد جس کی وجہ سے اس نے اپنی کنیت ابو داؤد رکھی تھی۔ علاوہ دوسرے اسلامی علوم کے خصوصیت کے ساتھ حدیث میں خاص امتیاز انھوں نے حاصل کیا تھا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ

وکان کثیر الحدیث ص۳۶۵ ج ۵ — حدیث کا کافی ذخیرہ ان کے پاس تھا

وقت کے مستند ائمہ اور شیوخ سے داؤد نے اس علم کو حاصل کیا تھا حافظ ابن حجر نے ان کے اساتذہ میں ہشام بن عروہ ابن جریج معمر ابن خثیم عمرو بن دینار وغیرہم کا نام لیا ہے اور داؤد کے شاگردوں میں تو ہم دوسروں کے ساتھ امام شافعی اور عبد اللہ بن المبارک

جیسی مشہود ہستیوں کو بھی پاتے ہیں۔ جو داؤد کے استناد و جلالت شان کے لئے کافی ہے ابن حبان نے ان کی توثیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

کان متقنا من فقہاء اھل	بڑے سنجیدہ آدمی تھے مکہ کے فقہا میں ان
مکہ تہذیب ج ۳ ص ۱۹۲	کا شمار تھا

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کثیر الحدیث ہونے کے ساتھ "فقہ" میں بھی ان کی قابلیت مسلم تھی سیرت و کردار کے لحاظ سے یہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر نے ابراہیم بن محمد الشافعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ

ما رأیت احدًا اعبد من	میں نے فضیل بن عیاض سے زیادہ عبادت گذار
فضیل بن عیاض ولا اورع	اور داؤد بن عبد الرحمٰن (العطار) سے زیادہ
من داؤد بن عبد الرحمٰن	پرہیزگار اور ابن عیینہ سے زیادہ حدیث کے
ولا افرس فی الحدیث من	فن میں ہوشیار آدمی نہیں دیکھا۔
ابن عیینۃ (۶)	

فضیل بن عیاض اور ابن عیینہ جیسے اکابر کے ساتھ داؤد کا تذکرہ خود ہی بتارہا ہے کہ اس لحاظ سے بھی مسلمانوں میں ان کا کیا مقام تھا۔ اور اس قسم کے واقعات مثلاً ابن سعد نے دمشق کے محدث عبد الرحمٰن بن میرہ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ خواب میں ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ان کو نصیب ہوئی خیال گذرا کہ اس سے بہتر موقعہ اور کیا ملے گا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے عبد الرحمٰن نے فائدہ اٹھانا چاہا۔ لیکن کس چیز کی دعا کرائی جائے؟ جب یہ سوال ان کے سامنے آیا تو اس وقت دنیا اور آخرت کی باتوں میں سے ایسی بات جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرائی

جائے ان کی سمجھ میں یہی آئی جیساکہ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا

یا نبی اللہ ادع لی اکون حفوظاً للحدیث ودعالہ ابن سعد ص ۱۶۳ ج ۷ قسم دوم

(اے اللہ کے نبی! میرے لئے دعا فرمائیے کہ حدیث کی سمجھ مجھ میں پیدا ہو جائے اور اس کا ظرف میں بن جاؤں (یعنی حدیثیں مجھے محفوظ ہو جائیں)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں "طلب حدیث" کے متعلق لوگوں کے دل و دماغ کی کیا نوعیت تھی۔ گویا کہا جا سکتا ہے کہ بیداری تو بیداری خواب میں بھی اسی کا ذوق ان پر مسلط رہتا تھا۔

طلب حدیث میں سفر لوگ سوچتے نہیں ورنہ ان کی معلومات کی جستجو اور تلاش میں لوگوں کا یہ حال تھا کہ نہ وقت کی ان کو پرواہ ہوتی تھی نہ مال کی اس راہ میں بڑی سے بڑی قربانی جو دی جا سکتی تھی دینے والے دے رہے تھے عبد آن جن کا تذکرہ شروع کرتے ہوئے الذہبی نے لکھا ہے کہ "الحافظ الامام رحلۃ الوقت" خود اپنا حال بیان کرتے تھے کہ اپنے سیکڑوں اساتذہ میں سے صرف ایوب کی حدیثوں کی تلاش میں

دخلت البصرۃ ثمانی عشرۃ مرۃ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۳۳ ج ۲

شہر بصرہ کا اٹھارہ دفعہ میں نے سفر کیا۔

ابو حاتم رازی جو علل کے امام ہیں، لکھا ہے کہ رحل وھو امرد یعنی سبزہ آغاز ہونے سے پہلے ہی طلب حدیث میں وطن سے نکل پڑے۔ برسوں سفر میں رہتے وطن واپس لوٹتے اور پھر روانہ ہو جاتے، خود ان کا بیان الذہبی نے نقل کیا ہے کہ

اول ما رحلت انفقت سبع پہلی دفعہ گھر سے جب طلب حدیث میں نکلا تو

سنین تذکرہ ص ۱۲۲ ج ۲ تو سات سال تک سفر ہی میں رہا
کہتے تھے کہ شروع میں کتنے میل چلا اس کا خیال رکھا تھا۔ تین ہزار میل تک تو میں گنتا رہا لیکن پھر گننا چھوڑ دیا۔ پیدل کتنی لمبی لمبی مسافتیں اس راہ میں انھوں نے طے کی تھیں اس کا اندازہ اسی سے کیجئے خود ہی بیان کرتے تھے کہ

خرجت من البحرین الی مصر بحرین سے مصر پیدل گیا پھر رملہ سے طرطوس
ماشیاً ثم الی الرملۃ ماشیا کا سفر بھی پیدل ہی کیا، اس وقت میری عمر
ثم الی طرطوس ولی بیس سال کی تھی۔
عشرون سنۃ (۷)

اطلس اٹھا کر دیکھئے اور اندازہ کیجئے کہ بحرین (عرب) سے مصر، مصر سے رملہ (فلسطین) اور رملہ سے طرطوس کا فاصلہ کتنے ہزار میلوں کا ہے خدا ہی جانتا ہے کہ اس قسم کے بے سنگ و میل والے سفر میں کن کن حالات سے لوگوں کو گذرنا پڑتا تھا۔ خصوصاً اس زمانہ میں جب مواصلات کے موجودہ ذرائع سے دنیا محروم تھی ان ہی ابوحاتم رازی نے اپنے ایک سفر کا قصہ یہ بیان کیا ہے جسے ذہبی نے نقل کیا ہے، میں اسی سے ترجمہ کرتا ہوں، ابوحاتم کہتے ہیں۔

میں اور میرے چند رفقاء جہاز سے اُترے، خشکی پر پہونچنے کے بعد دیکھا تو زادِ راہ ختم ہو چکا ہے۔ کیا کرتے، ساحل سے پیادہ پا ہم لوگ روانہ ہوئے۔ تین دن تک چلتے رہے لا تاکل شیئاً (قطعاً اس عرصہ میں کچھ نہ کھایا) آخر ایک رفیق جو زیادہ سن رسیدہ اور ضعیف العمر تھے بے ہوش ہو کر گر پڑے، لاکھ ہم لوگوں نے ان کو جھنجھوڑا، ہلایا لیکن کسی قسم کی جنبش اور حرکت ان میں محسوس نہ ہوئی، مجبوراً بے

بچارے کو اسی حال میں چھوڑ کر آگے بڑھے تھوڑی دیر چلنے کے بعد چکرا کر آخر میں بھی گر ہی گیا، اب ایک رفیق اکیلا رہ ہی گیا، ساحل سمندر کے کنارے کنارے یہ سفر ہو رہا تھا، مجھے چھوڑ کر وہ آگے بڑھا، دور سے اس کو سمندر میں ایک جہاز نظر آیا۔ دریا کے کنارے جا کر اس نے رومال ہلانا شروع کیا۔ جہاز والے متوجہ ہوتے اور چند آدمی اس سے اتر کر اس رفیق سے ملے، حال پوچھا پیاس سے اس کا برا حال تھا، پانی کی طرف اشارہ کیا جہاز والوں نے اس کو پانی پلایا جب کچھ اس کے ہوش بجا ہوتے، تب اس نے کہا کہ میرے اور دو رفیقوں کی خدا کے لئے خبر لیجئے۔ جہاز والے اس کی راہ نمائی میں اس جگہ پہنچے جہاں میں گرا پڑا ہوا تھا منہ پر چھینٹے دیئے گئے اس وقت مجھ کو ہوش آیا۔ مجھے پانی پلایا گیا پھر اس بیچارے ضعیف العمر آدمی کے پاس لوگ پہنچے ان کو بھی ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی۔" ص ۱۳۲ ج ۲ تذکرۃ الحفاظ۔

رحلات اور اسفار طویلہ کے یہ قصے کیا کسی ایک دو آدمی تک محدود ہیں جاننے والے جانتے ہیں کہ "رحلت" یعنی طلب حدیث میں سفر کرنا اس علم کے لوازم میں سے تھا جس کے بغیر کوئی محدث محدث بن نہیں سکتا تھا کسی بڑے ممتاز آدمی کا حال اٹھا کر دیکھئے ایک طویل فہرست ان کے رحلات کی آپ کو نظر آتے گی امام بخاری ہی ہیں یہ لکھنے کے بعد کہ بچپن ہی میں امام بخاری نے عبداللہ بن المبارک کی کتابیں زبانی یاد کر لی تھیں الذہبی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ

رحل مع امہ واختہ سنۃ	اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ساتھ ۲۱۰ھ ہجری
عشر و مائتین بعد ان سمع	میں سفر کیا یہ سفر امام نے ان حدیثوں کے
مرویات بلدہ من محمد	سننے کے بعد کیا تھا جنہیں اپنے شہر (بخارا) کے

بن سلام والمسندی ومحمد بن یوسف البیکندی وسمع ببلخ من مکی بن ابراھیم و وببغداد من عفان وبمکۃ من المقری، وبالبصرۃ من ابی عاصم والانصاری وبالکوفۃ من عبد اللہ وموسی وبالشام من ابی المغیرۃ والفریابی وبعسقلان من آدم وبحمص من ابی الیمان، وبدمشق من ابی مسھر

عماد محمد بن سلام مسندی محمد بن یوسف بیکندی سے وہ روایت کرتے تھے امام نے بلخ میں مکی بن ابراہیم سے بغداد میں عفان سے مکہ میں مقری سے بصرہ میں ابو عاصم اور الانصاری سے کوفہ میں عبد اللہ اور موسیٰ سے شام میں ابو المغیرہ و فریابی سے عسقلان میں آدم سے حمص میں ابو الیمان سے دمشق میں ابو مسہر سے حدیثیں سنیں ۔

ص ۱۲۲ ج ۲ تذکرۃ الحفاظ ذہبی

حالانکہ یہ فہرست قطعاً غیر مکمل ہے اس میں نہ مدینہ کا نام ہے اور نہ یمن کا اور نہ بہت سے دوسرے شہروں کا جہاں امام بخاری حدیث ہی کی جستجو میں گئے، تاہم اس ناقص فہرست میں بھی آپ کو بخارا اور بیکند (جو امام بخاری کا وطن ہے) اس کے سوا بلخ، بغداد، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، عسقلان، حمص، دمشق جیسے شہروں کے نام درج ہیں جن میں ہزارہا ہزار میل کے فاصلے ہیں۔ الخطیب نے امام کے علمی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

رحل فی طلب العلم الی سائر — علم کی طلب میں تمام (اسلامی) شہروں کا امام

محلاً فی الامصار ص ۱۲۲ ج ۲ بخاری نے سفر کیا۔

امام بخاری کے بعد اسی طرح حافظ ابو زرعہ کے تذکرے میں ذہبی ہی لکھتے ہیں کہ "یمن عراق شام جزیرہ خراسان مصر میں وہ گھومتے رہے جیسا کہ میں نے کہا کسی محدث و حافظ کا تذکرہ اٹھا کر دیکھ لیجئے ان مقامات اور بلاد کی ایک طویل فہرست آپ کو مل جائے گی، جہاں ان کی علمی تشنگی ان کو لئے لئے پھرتی تھی۔ غریب الوطنی کی عام صعوبتوں کے سوا جن سے پردیسی مسافر کو بہرحال دوچار ہی ہونا پڑتا ہے۔ اس قسم کے لمبے لمبے سفر، اور سفر ہی نہیں بلکہ طلب علم کے لئے چونکہ سفر کیا جاتا تھا، اس لئے لازماً ایک ایک جگہ میں ان لوگوں کو مہینوں اور بسا اوقات برسوں بسر کرنے پڑتے تھے آج بھی تعلیمی سفر اختیار کرنے والے طلبہ جو امریکہ و یورپ جاتے ہیں، دو دو چار چار سال بعد وطن واپس ہوتے ہیں تو اندازہ کرنا چاہئے، اس زمانہ کا اور طلب علم کے اس حال کا کسی موقعہ پر ذکر آچکا ہے کہ ایک ایک حدیث کے لئے مدینہ سے مصر کا لوگ سفر اختیار کرتے تھے، یا کسی شہر میں سال سال بھر اس لئے پڑے رہے کہ جن سے حدیث کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ وہاں موجود نہ تھے۔ خصوصاً حفاظ کا جو یہ عام دستور تھا کہ روزانہ دس پانچ حدیثوں سے زیادہ نہیں بیان کرتے تھے اسی سے اندازہ کیجئے کہ لوگوں کو ایک ایک استاد کے پاس کتنے دن ٹھیرنا پڑتا ہوگا علی الخصوص ذخیرۂ حدیث کے بڑے سرمایہ داروں کے پاس یحییٰ بن سعید القطان خود اپنا حال بیان کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ صرف ایک استاد کے پاس ان کو دس سال گذارنے پڑے خطیب نے بجنسہ یہ الفاظ ان سے نقل کئے ہیں۔

لزمت شعبة عشر سنة (تاریخ بغداد ص ۱۳۶ ج ۱۴) شعبہ کے پاس میں دس سال تک ٹھیرا رہا

موطاء کے نسخۂ خاص کے راوی قعنبی امام مالک سے یہ الفاظ نقل کیا کرتے تھے کہ

كان الرجل يختلف الى الرجل ثلثين سنة فيتعلم منه ص۳۲۰ حلية الاولياء	آدمی کا قاعدہ تھا کہ ایک ایک استاد کے پاس تیس تیس سال تک آمد و رفت رکھتا تھا جب علم سیکھتا تھا۔

بظاہر ان الفاظ سے امام مالک نے خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے یا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کا یہ عام حال ہو کہ لوگ ایک ایک استاد کے پاس تیس تیس سال تک آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، خود امام مالک ہی کے متعلق نافع بن عبداللہ کے حوالہ سے حلیہ ہی میں یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ

جالست مالكا اربعين سنة او خمسا وثلثين كل يوم ابكر واهجر ساره ص ...	میں امام مالک کے پاس چالیس یا پینتیس سال تک بیٹھتا رہا روزانہ صبح کو بھی حاضر ہوتا دوپہر کو بھی پچھلے پہر بھی۔

زہری کہا کرتے تھے

مست ركبتي ركبة سعيد بن المسيب ثمان سنين ص۳۶۲ ج۱	سعید بن المسیب کے زانو سے زانو ملا کر میں نے آٹھ سال گذارے ہیں۔

اور اس پر بھی یہ حال تھا کہ بعض دفعہ جیسا کہ زہری سے لوگ نقل کرتے ہیں کہ

تبعت سعيد بن المسيب فى طلب حديث ثلثة ايام	ایک حدیث کی تلاش میں سعید بن المسیب کا پیچھا میں نے تین دن تک کیا (غالباً تین دن کے فاصلہ پر کہیں سعید تھے۔

اللہ اکبر ان لوگوں کے ذوق جستجو کا یہ حال تھا جیسا کہ عکرمہ مولیٰ ابن عباس اپنے متعلق کہتے تھے کہ ایک قرآنی آیت کے شان نزول کی تلاش میں چودہ سال سرگرداں رہا آخر اس کا پتہ

چلا چھوڑا (فتح القدیر شوکانی ج ۲)

ایک عجیب واقعہ ذرا اس راہ کے وارستہ مزاجوں کے شوق بے پرواکو ملاحظہ فرمائیے حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں ایک دلچسپ قصہ نقل کیا ہے حاصل جس کا یہ ہے کہ ایک صاحب جن کا نام غالب القطان تھا، بصرہ کے رہنے والے تھے، تجارت کا کاروبار کرتے تھے تجارت ہی کے سلسلہ میں ایک دفعہ کوفہ پہنچے۔ اگرچہ حدیث کے باضابطہ طالب العلم نہ تھے لیکن اس علم کا گونہ ذوق رکھتے تھے۔ خیال گذرا کہ جب تک کوفہ میں قیام ہے، محدث کوفہ اعمش کے حلقہ میں حدیثوں کے سننے کا اگر موقعہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ یہی سوچ کر اعمش کے حلقہ میں آمد و رفت کرتے رہے کہتے ہیں کہ کام جس کے لئے آیا تھا جب ختم ہوگیا تو جس دن کی صبح کو کوفہ سے روانگی کا ارادہ تھا، میں نے اس صبح کی رات اعمش ہی کے پاس گزاری۔ تہجد کے وقت میری بھی آنکھ کھل گئی، اس وقت اعمش قرآن کی ایک آیت[1] کا بار بار اعادہ کر رہے تھے، اور اس آیت کے متعلق کچھ کہتے بھی جا رہے تھے، جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس آیت کے سلسلے میں کوئی خاص علم (یعنی حدیث) ان کے پاس ہے صبح کو جب رخصت ہونے کے لئے ان کے پاس حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت رات قرآن کی جس آیت کو بار بار دُہرا دُہرا کر آپ پڑھ رہے تھے اور اسی کے ساتھ کچھ فرماتے جاتے تھے کیا اس باب میں آپ تک کوئی حدیث پہنچی ہے؟ میں آپ کے پاس قریب قریب ایک سال سے آ جا رہا ہوں، لیکن اس حدیث کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا، مطلب

[1] یہ سورۂ آل عمران کی آیت شہد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم ان الدین عند اللہ الاسلام " تھی ۱۲

یہ تھا کہ اب جا رہا ہوں اس حدیث کو بھی سنا دیجیے، غالب کہتے ہیں کہ یہ سننے کے ساتھ ہی اعمش کی زبان سے یہ نعرہ نکل گیا کہ خدا کی قسم ایک سال تک تو اس حدیث کو تم سے میں نہیں بیان کروں گا، بس یہی سننے کی بات ہے آئے ہوئے ہیں تجارتی اغراض سے۔ طلب علم مقصود بھی نہیں ہے، لیکن ایک حدیث کے سننے کا شوق غالب میں پیدا ہو گیا، چوں کہ اعمش کی زبان سے قسم نکل گئی تھی اس لئے شوق کی تکمیل کی اس کے سوا اور کوئی دوسری شکل نہ تھی کہ اعمش کی قسم کی تکمیل کے انتظار میں کاروبار کے نفع و نقصان سے قطع نظر کر کے پورا سال کوفہ میں گذار دیں، یا پھر اس شوق ہی سے دست بردار ہو جائیں بات کوئی بڑی بھی نہ تھی، ایک حدیث کا معاملہ تھا، اور وہ بھی تفسیری حدیث کا، جس کی محدثین کی نگاہوں میں اتنی اہمیت بھی نہیں، مگر دنیا میں تاریخ کا یہ وہ دور تھا جس میں ایک ایک بات جو کسی نہ کسی حیثیت سے پیغمبر کی طرف منسوب ہو، اس کی قدر و قیمت کا یہ حال تھا کہ غالب القطان کہتے ہیں کہ

فاقمت وکتبت علی بابہ ذلک	(میں ٹھیر گیا (وطن کی واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا)
الیوم	اور اعمش کے دروازے پر اس دن کی جو تاریخ تھی اسے لکھ دیا۔

اور ہفتہ دو ہفتہ مہینے دو مہینے نہیں کامل بارہ مہینے اس انتظار میں گذارتے رہے کہ سال کے پورا ہونے کی تاریخ کب آتی ہے وہی کہتے ہیں کہ

فلما مضت السنة قلت یا ابا محمد	جب سال گذر گیا تو میں نے عرض کیا کہ اے ابو محمد
قد مضت السنة ص۹۱ جامع	(اعمش کی کنیت تھی، سال گذر گیا اب وعدہ پورا کیجیے)

آخر اعمش سے اس حدیث کو سن لینے کے بعد وہ گھر واپس لوٹے۔ میں نہیں سمجھتا

کہ اس روایت پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت ہے حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے محض یونہی کسی عام معمولی تاریخی روایت کی حیثیت سے اس قصہ کا تذکرہ اپنی کتاب میں نہیں کیا ہے بلکہ باضابطہ مسلسل سند جو غالب قطان پر جا کر منتہی ہوتی ہے اس سند کے ساتھ اس واقعہ کو انھوں نے خود قطان کی زبانی نقل کیا ہے۔ جہاں تک سند کے رواۃ ہیں میرے خیال میں سب ہی معتبر اور صاحب حیثیت لوگ ہیں۔

اس عہد کے واقعات اس سلسلہ میں جو پیش آتے ہیں سب کا استیعاب مقصود نہیں ہے بلکہ چیدہ چیدہ چند روایتیں میں نے اس لئے درج کی ہیں کہ جس زمانے میں حدیث کے ساتھ قلوب کے تعلقات کی یہ نوعیت ہو، ایک ایک حدیث کے لئے مکانی ہوں یا زمانی ہر قسم کے فاصلے صفر کی حیثیت اختیار کئے ہوئے تھے غور کرنا چاہئے کہ حفظِ حدیث کے متعلق جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں کیا کسی حیثیت سے بھی ان پر تعجب و تحیر درست ہو سکتا ہے جب حدیث کے مقابلہ میں اس علم کے حاصل کرنے والے کسی دوسرے کام کو کام اور کسی دوسری ضرورت کو ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے تھے اور یہ حال تو ان کی جفاکشی اور وقتی قربانیوں کا تھا۔ اسی راہ میں قربانی کرنے والوں نے جو مالی قربانیاں پیش کی ہیں، وہ ان سے کیا کچھ کم تھیں۔ امام احمد بن حنبل کے ایک استاد فی الحدیث جن کا نام ہیثم بن جمیل تھا، اور بڑے بڑے حفاظ وقت سے شرف تلمذ رکھتے تھے، ان کے اساتذہ میں سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ، عبداللہ بن المثنیٰ الانصاری جیسے اکابر شریک ہیں بہرحال ان ہی ہیثم بن جمیل کے تذکرے میں خطیب نے لکھا ہے کہ

افلس الھیثم بن جمیل فی طلب الحدیث ہیثم بن جمیل علم حدیث کے طلب میں دو

موثقین تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۵۶ دفعۃ افلاس اور بے نوائی کے شکار ہوتے

(یعنی ایک پیسہ بھی گرہ میں نہ رہا سب خرچ کر ڈالا)

ہیثم کا اصل وطن بغداد تھا، شاید مالی دقتوں کی وجہ سے یا واللہ اعلم کس وجہ سے شام کے شہر انطاکیہ میں آکر بعد کو مقیم ہو گئے تھے ۲۱۳ھ میں وفات ہوئی۔ امام مالک کے مشہور استاذ ربیعۃ الرائے کے متعلق امام مالک ہی کا قول حافظ ابو عمرو بن عبدالبر نے نقل کیا ہے۔ یعنی امام مالک یہ فرماتے ہوئے کہ

"اس علم میں (حدیث میں) کمال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ آدمی ناداری اور فقر کا مزہ چکھے"

نظیر میں اپنے استاد ربیعہ کا حال بیان کرتے کہ

اسی علم کی تلاش و جستجو میں ان کا حال یہ ہو گیا تھا کہ آخر میں گھر کی چھت کی کڑیاں تک ان کو بیچنی پڑیں اور اس حال سے بھی گذرنا پڑا کہ مزبلہ (جہاں خس و خاشاک آبادی کی ڈالی جاتی ہے) سے منقے یا کھجوروں کے ٹکڑے چن چن کر کھاتے تھے! جا مع بیان

گھر کی کڑیوں کے بیچنے کے سلسلے میں قصہ قاضی ابو یوسف کا یاد آتا ہے جس کا ذکر حنفی طبقات کی کتابوں میں کیا گیا ہے یعنی امام ابو یوسف پر ایک زمانہ وہ بھی گذرا تھا کہ کھانے کو جب کچھ نہ رہ گیا تو سسرال کے گھر کے چھپر کی کڑی نکال کر بازار بھیجی تاکہ جو پیسے اس سے حاصل ہوں ان سے خوراک کا سامان کیا جائے۔ بظاہر بی بی صاحبہ جو شاید گھر کی مالکہ تھیں انھوں نے تو اجازت دے دی تھی۔ لیکن قاضی صاحب کی ساس کو اپنے سعادتمند لائق کماؤ داماد کی اس حرکت کی جب خبر ہوئی تو کہتے ہیں کہ بڑی بی سے نہیں رہا گیا اور کچھ بول اٹھیں، لکھا ہے کہ قاضی صاحب کی غیرت میں اسی واقعہ سے حرکت پیدا ہوئی، پھر علم نے جہاں تک

ان کو پہنچا یا اس سے کون ناواقف ہے حافظ ابو عمرو بن عبدالبر نے بھی قاضی صاحب کا ایک لطیفہ نقل کیا ہے خود کہتے تھے کہ۔

"میرے ساتھ پڑھنے والوں کی یوں تو کافی جماعت تھی لیکن بھائی جب بیچارے کے دل کی دباغت دہی سے کی گئی تھی، نفع اسی نے اٹھایا"

پھر خود ہی دل کی اس دباغت کا مطلب یہ بیان کرتے کہ

ابوالعباس (سفاح) عباسی کے ہاتھ میں خلافت کی باگ جب آئی (اور کوفہ کے قریب ہی ہاشمیہ میں اس نے قیام اختیار کیا) تو اس نے مدینہ منورہ سے اہل علم وفضل کو وہیں طلب کیا (میں نے اس موقعہ کو غنیمت خیال کیا) اور ان لوگوں کے پاس استفادے کے لئے حاضر ہونے لگا میرے گھر کے لوگ میرے کھانے کا انتظام یہ کردیتے تھے کہ چند روٹیاں ٹھوک لی جاتی تھیں اور دہی کے ساتھ بندہ کھاکر سویرے سے درس وافادے کے حلقوں میں حاضر ہوجاتا لیکن جو اس انتظار میں رہتے تھے کہ ان کے لئے ہریسہ یا عصیدہ تیار ہولے تب اس کا ناشتہ کرکے جائیں گے ظاہر ہے کہ ان کے وقت کا کافی حصہ اسی کی تیاری میں صرف ہوجاتا تھا اسی لئے جو چیزیں مجھے معلوم ہوسکیں ان سے یہ عصیدہ اور ہریسہ والے حضرات محروم رہے۔ جامع ج ۱ ص ۹۷

خیر یہ تو ایک ذیلی قصہ تھا، میں ذکر ان محدثین کی مالی قربانیوں کا کررہا تھا۔ فن رجال کے امام الائمہ یحییٰ بن معین کے حال میں لکھا ہے کہ ان کے والد نے جو اس زمانہ کے کسی والی کے سکریٹری تھے، کافی سرمایہ حاصل کیا تھا، جس وقت ان کی وفات ہوئی تو دس لاکھ پچاس ہزار درہم صاحبزادے کے لئے چھوڑ کر مرے، بے چارے کا خیال ہوگا کہ اس روپے

ہیے یحییٰ عیش و آرام کی زندگی بسر کرے گا، لیکن کسی قصبہ یا محلّہ کے رئیس بن کر مرجاتے خدا نے ان کو اتنا چھوٹا بنا کر پیدا نہیں کیا تھا، رہتی دنیا تک ان کا نام عظمت و احترام سے لیا جائیگا کہ اللہ کے آخری رسول کی حدیثوں کو اغلاط اور آلودگیوں سے پاک وصاف کیا۔ قسمت میں تو ان کے یہ لکھا ہوا تھا۔ یہ سارا سرمایہ جو باپ سے ان کو ملا تھا، جانتے ہیں اس کا استعمال یحییٰ نے کیا کیا الخطیب نے اپنی متصل سند سے روایت درج کی ہے کہ

فانفقه کله علی الحدیث حتی لم یبق له نعل یلبسه ص ۱۷۸ ج ۱۴

(ساڑھے دس لاکھ درم کی ساری رقم (یحییٰ بن معین نے مسلم حدیث کے حاصل کرنے میں خرچ کر ڈالی نوبت یہاں تک پہنچی کر آخر میں ان کے پاس چپل تک باقی نہ رہا جسے وہ پہنتے (یعنی ننگے پاؤں پھرنے لگے)

اور یہ قصہ کہ آخر میں اتنا بھی نہ رہا کہ چپل خرید کر پہن سکیں، ایک یحییٰ بن معین ہی کے ساتھ مختص نہیں ہے، یہی امام بخاری کیا امام بخاری یوں ہی ہو گئے تھے ان کے ایک رفیق درس عمر بن حفص الاشقر کے حوالہ سے خطیب نے لکھا ہے کہ

بصرہ میں ہم محمد بن اسمٰعیل (یعنی امام بخاری) کے ساتھ حدیث لکھا کرتے تھے (یعنی استاذوں سے سن کر حدیث روایت کرتے تھے) چند دنوں کے بعد محسوس ہوا کہ بخاری کئی دن سے درس میں نہیں آرہے ہیں، تلاش ہوئی کہ بیچارے کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔ جہاں مقیم تھے ڈھونڈتے ہوئے ہم لوگ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک اندھیری کوٹھری میں پڑے ہیں بدن پر لباس نہیں ہے (یعنی جس لباس کو پہن کر لوگ باہر نکلا کرتے تھے) دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ

قد نفد ما عندہ ولم یبق معہ شیئ — جو کچھ ان کے پاس تھا سب ختم ہو چکا کچھ باقی نہ رہا جس سے لباس تیار کرتے۔

آخر ہم لوگوں نے مل کر رقم جمع کی اور خرید کر کپڑا لائے۔ تب پہن کر سکا۔ پھر ہم لوگوں کے ساتھ درس گاہ آنے جانے لگے (صفحہ ۱۳ تاریخ بغداد)

یہی حادثہ امام احمد بن حنبل کے ساتھ پیش آیا، مکہ معظمہ میں سفیان بن عیینہ کے پاس جس زمانہ میں پڑھتے تھے، ان کے رفقاء کا بیان ہے کہ ایک دن دیکھا کہ خلاف معمول احمد بن حنبل درس سے غائب ہیں، حال دریافت کرنے کے لئے ان کی فرودگاہ پہنچے اندر چھپے بیٹھے تھے، معلوم ہوا کہ سارا کپڑا ان کا چوری گیا[1]۔ اور دام بھی گرہ میں نہیں ہیں۔ روایت کے بیان کرنے والے صاحب جن کا نام علی بن الجہم تھا، کہتے تھے کہ میں نے امام کی خدمت میں اشرفی پیش کی، عرض کیا کہ چاہے ہدیۃً قبول فرما لیجئے یا قرضاً لیجئے۔ لیکن انھوں نے لینے سے انکار کیا۔ تب میں نے کہا کہ معاوضہ لے کر میرے لئے کچھ کتابت ہی کر دیجئے اس پر راضی ہو گئے۔ علی بن جہم نے بطور تبرک امام کے دستِ مبارک کے اس مخطوطہ کو رکھ چھوڑا تھا، لوگوں کو دکھاتے اور لکھنے کی شان نزول کو بھی اس کے ساتھ بیان کرتے

ابن عساکر ص ۳۷ ج ۲

امام احمد کے واقعات اس سلسلے میں اتنے ہیں کہ سب کے درج کرنے کی یہاں

---

[1] جس گھر میں امام صاحب رہتے تھے ایک بڑھی بھی وہاں رہتی تھی وہی یہ قصہ بیان کرتی تھی کہ امام احمد بن حنبل کسی ضرورت سے باہر گئے ہوئے تھے کہ پیچھے کسی نے کپڑے ان کے چرا لئے، جب امام آئے تو حادثہ کی خبر ہوئی بڑھیا کا بیان ہے کہ اس شخص نے کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھا کہ ہیں یا نہیں صرف ان مسودوں کو دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ جو طاق پر بچ کر رہ گئے تھے۔

گنجائش نہیں ان کے ہی استاذ عبدالرزاق لوگوں کو یہ قصہ سنایا کرتے تھے کہ جب احمد بن حنبل میرے پاس (حدیث پڑھنے کے لئے) یہاں یمن آئے تو میں نے اُن سے کہا کہ یمن کوئی کاروبار ملک نہیں ہے، پھر میں نے چند اشرفیاں پیش کیں لیکن لینے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے اسی زمانہ میں اسحاق بن راہویہ بھی عبدالرزاق ہی کے پاس امام احمدؒ کے ساتھ حدیث سنا کرتے تھے اسحاق نے ایک طویل قصہ کا ذکر کرتے ہوئے اسی میں بیان کیا ہے کہ ازار بند بُن بُن کر امام احمد یمن میں اپنی ضرورت ان ہی ازار بندوں کو بیچ کر پوری کیا کرتے تھے۔ دوسروں نے لاکھ کچھ قبول کر لینے پر اصرار کیا۔ لیکن ہمیشہ انکار کر دیا کہتے ہیں کہ جب کام سے فارغ ہو کر یمن سے امام چلنے لگے تو نانبائی کے کچھ روپے حضرت پر رہ گئے۔ جوتا پاؤں میں تھا اسی کو روپے کی جگہ نانبائی کے حوالے فرما دیا خود پیدل روانہ ہوئے اونٹوں پر بار لادنے والے اور اُتارنے والے مزدوروں میں شریک ہو گئے، جو مزدوری ملتی تھی وہی زادِ راہ کا کام دیتی تھی (ان سارے واقعات کا ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ذکر کیا ہے) دیکھو ج ۲

اس میں شک نہیں کہ مذکورہ بالا واقعات میں گو حضرت امام کی سیر چشمی، بلند نظری کی شہادتوں کے عناصر زیادہ شریک ہیں لیکن اسی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ جس قسم کی زندگی سے اپنے آپ کو ان بزرگوں نے رضامند کر لیا تھا۔ ان کی طرف محنت و جفاکشی کے جو واقعات بھی منسوب کئے جائیں ان میں شک کرنے کی کیا کوئی وجہ ہو سکتی ہے؟ علم حدیث میں لوگ کہتے ہیں کہ شعبہ بن الحجاج امیر المومنین سمجھے جاتے تھے، ہم ان کی سوانح عمری میں پڑھتے ہیں کہ ستر پچھتر کی عمر گذارنے کے بعد خود اپنے آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی معاشی فکر میں الجھانا پسند نہ کیا، ذہبی نے لکھا ہے

ما اکل شعبۃ من کسبہ قط ص۱۸۳ ج ۱ — اپنی کمائی سے شعبہ نے کبھی نہیں کھایا

ان کو یہ کرنا چاہئے تھا یا نہ کرنا چاہئے تھا[1] - یہ الگ سوال ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ ایسا آدمی حدیث ہی میں کیا جس علم میں بھی چاہے امیر بن سکتا ہے - قلب کی اس فارغ البالی کا کوئی ٹھکانا ہے ان ہی شعبہ کے متعلق ابوقطن کے اس حوالہ سے ذہبی نے نقل کیا ہے کہ

ما رأیت شعبۃ قد رکع الاقلت انہ نسیی ولا سجد الاقلت نسی

ص ۱۸۲ ج ۱

میں نے شعبہ کو رکوع میں جب کبھی دیکھا تو یہی خیال گذرتا تھا کہ بھول گئے (یعنی رکوع میں ہیں، شاید اس کا خیال دماغ سے ان کے نکل گیا) اسی طرح جب کبھی سجدے میں دیکھا تو خیال کیا کہ بھول گئے۔

بظاہر اس حال کا تعلق نفلی نمازوں سے معلوم ہوتا ہے اسی کے ساتھ ان ہی محدثین کے اس عام نقطہ نظر کو بھی سامنے رکھ لیجئے، جو ان میں سے کسی ایک کی طرف نہیں بلکہ متعدد بزرگوں کی طرف منسوب ہے - مثلاً حافظ الجزیرہ معافی بن عمران الموصلی سفیان ثوری جنہیں "یاقوتۃ العلماء" کہا کرتے تھے، ان ہی معافی سے پوچھنے والے نے پوچھا کہ رات بھر نمازوں میں مشغول رہنا، یا حدیث کے لکھنے، یاد کرنے میں رات گذارنا - ان دونوں مشغلوں میں آپ کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں حافظ ابوعمرو بن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ جواب میں معافی نے کہا ہے کہ

---

[1] آخر عمر میں شعبہ اپنے طریقہ کار کی خود مذمت کیا کرتے تھے شاگردوں سے کہتے کہ ہماری طرح نہ بن جانا کہ میں اپنے بھائیوں کے سینہ کا بوجھ بنا ہوا ہوں - لکھا ہے کہ حماد اور بشار نامی شعبہ کے دو بھائی تھے صراف کا کام کرتے تھے وہی ان کے اور ان کے اہل وعیال کے مصارف کے متکفل تھے شعبہ کی طرف یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے کہ جو طلب حدیث میں مبتلا ہوا فقر وفاقہ میں مبتلا ہوا اس کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ خود اس کے شکار ہوتے اپنا حال بیان کرتے ہوئے کبھی شعبہ یہ بھی کہتے کہ اسی طلب حدیث کے قصہ میں اپنی والدہ کا طشت سات دینار میں مجھے بیچنا پڑا ص ۱۸۲ ج ۱ تذکرہ

حدیث تکتبہ احب الی من قیامك من اول اللیل الی آخرہ ص ۲۴ جامع — حدیث کا لکھنا میرے نزدیک اس سے زیادہ بہتر ہے کہ رات بھر اول سے آخر تک تم نمازیں پڑھتے رہو۔

اور یا تو تتہ العلماء کا جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ کوئی ذاتی مذاق نہ تھا۔ امام احمد بن حنبل بھی لوگوں سے یہی فرماتے کہ

"علمی اشتغال میں رات کے کسی حصہ کو بسر کرنا میرے نزدیک احیاء شب (یعنی نماز پڑھنے سے) زیادہ بہتر ہے"

سائل نے دریافت کیا کہ علم سے آپ کی مراد کیا ہے، فرمایا کہ اپنے دین کے معلومات کو بڑھانا، اس نے کہا کہ کیا اسی نماز روزہ حج نکاح و طلاق وغیرہ کے متعلق معلومات کو آپ علم کہتے ہیں۔ فرمایا کہ ہاں! یہی زہری تو اسی بنیاد پر کہتے تھے کہ دین میں سمجھ پیدا کرنے کی کوشش اس سے زیادہ بہتر عبادت اور کیا ہو سکتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ جب خود نبوت کی صحبت یافتوں کا فتویٰ تھا۔ ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ

"تھوڑی دیر بیٹھ کر دین کے سمجھنے میں (یعنی تفقہ) میں بسر کرنا میرے نزدیک رات بھر (نمازوں) میں جاگنے سے بہتر ہے"

اس باب میں خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثوں کا ایک ذخیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے، بلکہ خود قرآن میں اسی اصول کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے۔ اسی لئے امام شافعی کا تو عام فتویٰ تھا کہ علم کا حاصل کرنا نفلی نمازوں سے بہتر ہے۔ مصر کے امام ابن وہب امام مالک کے ارشد تلامذہ میں ہیں، وہی کہا کرتے تھے کہ امام مالک کے سامنے میں پڑھ رہا تھا اتنے میں ظہر یا عصر کا وقت آگیا کتاب بند کر کے میں (نفل کی) نیت سے اٹھا۔ امام

سمجھ گئے اور فرمانے لگے کہ

"تعجب ہے جس چیز میں تم مشغول تھے کیا اس سے بھی وہ کام زیادہ بہتر ہے جس کو اب کرنا چاہتے ہو"

پھر فرمایا کہ "نیت" درست ہو تو وہ بہتر ہے جس میں تم مشغول تھے"

حافظ ابن عبدالبر نے اس قسم کے بیسیوں اقوال صحابہ تابعین اور ائمہ کے نقل کئے ہیں، میری غرض ان کے ذکر سے اس وقت یہ ہے کہ اب وہ غلط ہو یا صحیح، اس سے بحث نہ کیجئے بلکہ یہ دیکھئے کہ جن کے قلوب میں اس علم نے اپنی اتنی گہری جگہ بنالی تھی کہ دنیا تو خیر دنیا ہی ہے وہ فرائض کے سوا سارے دینی مشاغل پر بھی اس علم کی مشغولیت کو ترجیح دیتے تھے جب نوافل میں ان کے استغراق اور یکسوئی کا یہ حال تھا کہ سجدہ میں گئے تو سجدہ ہی میں پڑے ہوئے ہیں رکوع میں ہیں تو رکوع سے سر اٹھانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ حتیٰ کہ دیکھنے والا بے چارہ اس مغالطہ میں مبتلا ہو جاتا کہ بھول گئے ان ہی لوگوں کے متعلق سوچئے کہ اس علم کی طلب و تلاش میں ان کی کوششوں کی کیا کیفیت ہوگی جو نفلی نمازوں کو اتنا وقت دے سکتا ہو، غور کرنا چاہئے کہ جو چیز ان کی نگاہوں میں ان نمازوں سے بھی بہتر تھی اس کے لئے جو کچھ بھی وہ کر سکتے تھے کیا اس میں کوئی دقیقہ کوشش کا انھوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دین ہی جس کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے اس کے نزدیک دینی معلومات کی ظاہر ہے کہ کیا وقعت ہوگی لیکن جو دین کو ایک واقعہ یقین کر چکا ہو اسی قسم کا واقعہ جیسے دین کے انکار کرنے والوں کی نگاہوں میں "دنیا" ایک واقعہ ہے پھر اس دنیا (یعنی زندگی کا وہ وقفہ جسے شکم مادر سے نکلنے اور شکم قبر میں جانے کے درمیان آدمی گزارتا ہے) کی زندگی میں نفع پہنچانے والے معلومات کی جستجو اور تلاش میں جب وہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے

جس کا تماشا آج ہم ان ممالک میں کر رہے ہیں جہاں انسانی زندگی اسی دقفہ تک محدود سمجھی
جاتی ہے تو آپ کو جد وجہد کے اس سلسلہ پر اور ان کے نتائج پر کیوں تعجب ہو جاتا ہے، جو
دینی معلومات کے حاصل کرنے والے بزرگوں کی طرف کتابوں میں منسوب کئے گئے ہیں بزرگوں
کی وہی جماعت جس میں اس یقین کے پیدا کرنے میں پیغمبروں نے کامیابی حاصل کی تھی کہ اسی
دو تسکی دقفہ میں انسانی زندگی گھٹ کر ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ آدمی جس زندگی
کو چاہتا ہے کہ کبھی ختم نہ ہو انھوں نے یقین دلایا ہے کہ واقعہ بھی یہی ہے دین چوں کہ اسی ختم
نہ ہونے والی لامحدود زندگی کے متعلقہ معلومات کا نام ہے اس لئے زندگی کو لامحدود یقین
کرنے والوں میں اس زندگی کے متعلقہ معلومات کے جاننے کی تڑپ اگر پیدا ہوئی تو آپ ہی بتایئے
کہ اس کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا، جس حد تک اس لامحدود زندگی کے یقین کی قوت بڑھتی
چلی جاتی تھی اسی نسبت سے ان معلومات کی تلاش جستجو کے جذبہ میں شدت پیدا ہو رہی تھی جن
سے اس زندگی کے نفع و ضرر کا تعلق تھا جن معلومات سے دو تسکی دقفہ والی زندگی کے مشکلات
کے حل میں مدد ملتی ہو یا سہولتوں میں اضافہ ہوتا ہو، جب آپ دیکھ رہے ہیں کہ ان کو
لئے گھسے والے سمندروں میں گھس رہے ہیں پہاڑوں کو کھود رہے ہیں ؛ اور جو
کچھ ان کے امکان میں ہے سب کچھ کر رہے ہیں تو لامحدود زندگی کو واقعہ یقین کرنے
والوں کے متعلق جب یہ سنایا جاتا ہے کہ الدین کے یقین و اعتماد کا جو اصلی سرچشمہ تھا اور
جس کی زندگی کا ہر پہلو الدین کے لئے نئے انکشافات کی حیثیت رکھتا تھا، ان ہی انکشافات
کی راہوں میں انھوں نے وہ سب کچھ لگا دیا جسے وہ لگا سکتے تھے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس
کے خلاف کسی توقع کے قایم کرنے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی تھی یہی امیر المومنین فی الحدیث
شعبہ جن کے سجدوں اور رکوع کی کیفیت آپ سن چکے۔ ان ہی کے متعلق اگر یہ بھی سنایا
جاتا ہے کہ

کان لا یرضی الا ان یسمع الحدیث عشرین مرۃ — جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو شعبہ بیس مرتبہ نہیں سن لیتے تھے انہیں چین نہیں آتا تھا۔

جس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، یعنی ایک ہی استاذ کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو اسی استاد سے بیس دفعہ جب تک نہیں سن لیتے تھے ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی، اور محدثین یہ بھی کرتے تھے ہشیم کے حالات میں خطیب نے لکھا ہے کہ ان کے شاگرد ابراہیم بن عبداللہ الہروی کہا کرتے تھے

ما من حدیث ھشیم الا و سمعتہ منہ ما بین عشرین مرۃ الی ثلاثین مرۃ ص۱۱۹ ج۵ تاریخ بغداد — ہشیم سے جو حدیثیں میں روایت کرتا ہوں، ان سے ان حدیثوں کو کم و بیش بیس سے تیس دفعہ تک میں نے سنا ہے۔

اسی طرح معن بن عیسیٰ کا بھی دعویٰ تھا کہ امام مالک سے جتنی حدیثیں وہ روایت کرتے تھے ان کے متعلق کہتے تھے کہ

قد سمعتہ منہ نحوا او اکثر من ثلثین مرۃ ص۲۳۶ ج۱ ملیلا دہیا ر — میں نے امام مالک سے یہ حدیثیں تیس مرتبہ سنی ہیں، یا اسی کے قریب قریب

اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی حدیث کو شعبہ جب تک کم از کم بیس استاذوں سے نہیں سن لیتے تھے ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا جیسا کہ معلوم ہے یہ بھی محدثین کا عام مذاق تھا، یحییٰ بن معین کو تو اس پر اتنا اصرار تھا کہ لوگوں سے وہ کہا کرتے تھے۔

لو لم نکتب الحدیث من ثلاثین وجہا ما عقلناہ ص۷ — جب تک کسی حدیث کو تیس ذریعوں سے ہم لوگ نہیں لکھتے اس وقت تک اس حدیث کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

اس زمانے کے حساب سے ٹھیک اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ ایک ہی واقعہ ہوتا ہے مختلف نیوز ایجنسیاں اپنے اپنے الفاظ اور اپنی اپنی تعبیر میں اس واقعہ کی خبر اخباروں کو بھیجتی ہیں۔ جو لوگ سیاسی کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں یا تحقیقی اخبار نویسی کا کام کرتے ہیں، یا صحیح واقعات کے علم کا جن لوگوں کو ذوق ہوتا ہے وہ بجنسہ ایک ہی واقعہ کی خبر کو مختلف اخباروں میں پڑھتے ہیں اور نیوز ایجنسی کی تعبیروں کو ملانے کے بعد واقعہ کی اصل نوعیت تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اخباروں کا مطالعہ ان ہی التزامات کے ساتھ کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے علم اور ان کے فیصلوں کی نوعیت عام اخبار بینوں سے بھلا کوئی نسبت رکھتی ہے؟[1]

جیسا کہ میں پہلے بھی کہیں بیان کر چکا ہوں کہ حدیثوں کی تعداد بتاتے ہوئے عام کتابوں میں لاکھوں لاکھوں تک ان کے شمار کو پہنچا دیا گیا ہے۔

(باقی آئندہ)

---

[1] مثلاً بہت سی باتیں کسی ایجنسی کی خبر میں مجمل رہ جاتی ہیں۔ دوسری نیوز ایجنسی کی خبر میں اسی اجمال کی تفصیل ہوتی ہے بعض دفعہ نامہ نگار میں سلیقہ اس کا نہیں ہوتا کہ گر کی بات اور عام باتوں میں تمیز کر سکے لیکن ہوشیار نامہ نگار بھیجی ہوئی خبروں میں اسی کا انتخاب کرتا ہے یا اسی پر زیادہ زور اپنے بیان میں خرچ کر دیتا ہے بعض دفعہ خبر کی نوعیت کا اظہار ایک ایجنسی کا نامہ نگار کرتا ہے اور دوسرا چھوڑ دیتا ہے جن کی نظر سب پر ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ کس حد تک خبر قابل اعتماد ہو سکتی ہے بلکہ مختلف اخبار کے پڑھنے سے ان لوگوں کو اس کا بھی فائدہ ہوتا ہے کہ بعض بالکل بے بنیاد جھوٹی خبریں اخباروں میں کسی خاص غرض سے جو شائع ہو جاتی ہیں مخالف اخبار یا ایجنسیاں ان کے ذکر سے پرہیز کرتی ہیں لیکن بعض اخباروں یا ایجنسیوں کو اسی میں مزہ آتا ہے ۱۲

ابوالنصر معین الدین اکبر شاہ ثانی

از جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی

محمد اکبر شاہ شاہ عالم کے منجھلے بیٹے تھے بدھ کے دن ۷ رمضان ۱۱۷۳ھ کو نکن پور زاہدان میں "مبارک محل" کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

"مبارک محل" خاندان سادات سے تھی۔ ذی الحجہ ۱۱۷۱ھ میں شاہ عالم نواب نجیب الدولہ کے پاس قیام پذیر تھے وہیں ان سے عقد کیا تھا[1]۔

واقعات | شاہ عالم کو ان سے بہت محبت ہوگئی تھی جہاں دار شاہ کو بلانا چاہا نواب اودھ اور انگریزوں نے ازراہ مصلحت ان کو نہ آنے دیا۔ ھندمیں مرہٹوں نے اکبر شاہ ثانی کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ نواب غلام قادر خاں دلی سے جب میرٹھ بھاگا تو ان کو بھی ساتھ لیتا گیا اور بیدار بخت کے بجائے بادشاہ بنایا۔ مرہٹوں نے غلام قادر کو شہید کیا تو شاہ عالم پھر کابل ہوتے جہاں دار شاہ کے انتقال کے بعد ہی ولی عہد قرار دئے گئے۔

شادی | ۱۱۹۵ھ میں شاہ عالم نے ان کی بڑی دھوم دھام سے شادی کی تھی۔ امیر الامرا مرزا نجف خاں ذوالفقار الدولہ وزیر نے دولہا دلہن کو تحفے میں لاکھوں روپیہ کا سامان پیش کیا تھا ان کی اولاد میں بڑے ابوظفر بہادر شاہ تھے جو ایک راجپوت خاتون کے بطن سے دوسرے

[1] شاہ عالم نامہ ص ۶۳ و دیباچہ نادرات شاہی ص ۵۳